روشنی کی کرن

قبول اسلام کی ایک داستان

جارج اشقون

ترجمہ : نذر الحفیظ ندوی

مغرب اور اسلام کی کش مکش کا ایک خوش گوار پہلو یہ ہے کہ خدا سے بغاوت پر مبنی تہذیب سے دل برداشتہ ہو کر متلاشیان حق مسلسل امت مسلمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سابق امریکی صدر، جارج واشنگٹن کے پڑپوتے، جارج اشقون کی یہ کہانی الدعوۃ ریاض، ربیع الاول ۱۴۱۸ھ سے تعمیر حیات لکھنؤ میں ترجمہ کی گئی۔ یہ ریاض ریڈیو کے شعبہ انگریزی کے لیے ایک انٹرویو تھا۔ ہم شکریے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ (مدیر)

میری پیدائش واشنگٹن کے قریب ورجینیا میں ہوئی۔ میرے والد امریکی بحریہ میں ایک افسر تھے۔ وہ امریکی صدر جارج واشنگٹن کے پوتے تھے۔ میری نشوونما اور تعلیم و تربیت کے سارے مراحل خاندان ہی میں طے ہوئے۔ میرے آباد اجداد کا ایک بڑا فارم ہے جو چار سو سال سے ہماری ملکیت ہے۔

عیسائیت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی جستجو میرے اندر بچپن ہی سے تھی۔ میں جس پادری سے بھی سوالات کرتا، وہ مجھے مطمئن کرنے میں ناکام ہو جاتا۔ مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور حضرت عیسیٰؑ کا وجود دونوں الگ الگ ہیں۔ یہ دور میری زندگی کا مشکل ترین دور تھا۔

جب میں نے صحافتی زندگی میں قدم رکھا تو ایک کیمرہ مین کی حیثیت سے رسالہ ٹائم کی طرف سے لبنان کی خانہ جنگی کی تصویریں کھینچنے کے لیے بیروت جانا پڑا۔ ایک عرب اور مسلمان ملک کے سفر کا تصور کر کے مجھے خوف اور گھبراہٹ ہو رہی تھی، اس لیے کہ امریکی فلموں اور میڈیا نے میرے دل و دماغ میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ مسلمان تشدد پسند اور ظالم ہوتے ہیں، وہ انتہائی جاہل اور جنگلی ہوتے ہیں، انسانی

تہذیب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن لبنان میں داخل ہوتے ہی میرے تمام نظریات و تصورات یکسر باطل ثابت ہوئے۔ میں نے بچشم خود مشاہدہ اور تجربہ کیا کہ مسلمانوں اور عربوں سے متعلق مغربی میڈیا نے جو کچھ تصورات دیے ہیں، وہ جھوٹ اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے۔ لبنان میں جن مسلمانوں سے مختلف مقامات پر ملاقاتیں ہوئیں، انھوں نے ہمیں خطرات سے محفوظ رکھنے میں جان کی بازی لگا دی۔ میرے کھانے پینے اور آرام و راحت کے تمام وسائل مہیا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب (عیسائی فوجوں) کی کمین گاہوں سے مجھ پر گولی چلائی گئی اور میں زخموں سے چور ہو گیا تو ان مسلمانوں نے میرے علاج میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور انھوں نے اس طرح میری دیکھ بھال کی جیسے میں ان کا بھائی اور فرد خاندان ہوں۔ اس وقت میری عمر صرف بیس سال تھی۔ جس ہوٹل میں میرا قیام تھا وہیں قریب میں ایک مسجد تھی، جس کے امام سے میں ملاقاتیں کرتا اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا۔ ان کی باتوں سے میرے اندر اسلام سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ اس وقت میں نے نہ قرآن پڑھا تھا اور نہ ہی حدیث سے واقف تھا، لیکن مسلمانوں سے گفتگو اور مسلسل ملاقاتوں اور ان کے قرب نے میری تمام غلط فہمیوں کو دور کر دیا۔ میں ان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے محاذ پر جاتا تھا تاکہ تصویریں لے سکوں۔ پھر میں واپس امریکہ آگیا۔ میں نے از سر نو مسیحی عقائد اور مختلف عیسائی فرقوں سے متعلق مطالعہ کرنا شروع کیا، گرجا گھروں میں پادریوں سے بھی ملا لیکن مجھے تشفی نہ ہو سکی۔

جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو واشنگٹن میں افغانستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والی ایک کمیٹی نے مجھے رپورٹنگ کے لیے افغانستان بھیجا۔ میری یہ بھی ذمہ داری تھی کہ افغان مجاہدین کی ضروریات کا جائزہ لوں اور مالی و فوجی امداد کا اندازہ کروں۔ ہم نے بعض افغان مجاہدین کو واشنگٹن اور نیویارک مدعو کیا تاکہ وہ امریکن کانگریس کے ارکان سے تبادلہ خیال کر سکیں۔ ان رابطوں کے دوران میں نے عام افغان مجاہدین کے اندر جو اسلامی روح پائی، اس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ عین معرکہ جنگ میں وقت آنے پر نمازوں کے لیے کھڑے ہو جاتے، وہ کہا کرتے کہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کے لیے ہم یہ عبادت کرتے ہیں۔ میں جب انھیں جوش و جذبے سے جہاد کرتے دیکھتا اور نہتے ہوتے ہوئے بھی ایک بڑی فوجی طاقت سے لڑتے دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ یہ لوگ کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود اپنے طاقتور دشمن پر یقیناً فتح و غلبہ حاصل کرلیں گے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں وہ ایمان موجزن ہے جس سے روسی فوج محروم ہے۔

میں نے قیام افغانستان کے دوران ہی احادیث نبویؐ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقا سے فرماتے تھے کہ وہ ایمان ہی کی بدولت کامیاب و کامران ہوں

گے۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کی قوت سے بھرپور افغان مجاہدین جدید ترین جنگی سازوسامان سے لیس روسی فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔

افغانستان سے واپسی کے بعد میں صحافت کے بجائے اپنے اصل پیشہ، کیمرہ مین کا کام کرنے لگا۔ ۱۹۸۸ میں، نیویارک میں، ہم نے دوستوں کے تعاون سے ایک کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ "راک اینڈ رول" گانے والوں کی ایک ٹیم ہم نے تشکیل دی۔ یہاں سے ہماری دوسری زندگی شروع ہوئی جو سراسر لہو و لعب اور رقص و سرود اور شراب و شباب کی زندگی تھی۔ ہماری ملاقاتیں ان مشہور فلمی ستاروں سے بھی ہوئیں جن کے بارے میں ہم اخبارات میں پڑھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ہم نے دولت اکٹھی کرنی شروع کی۔ ایک سال کے اندر ہی میرے پاس ستر ہزار ڈالر جمع ہو گئے۔ میری زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی رقم میرے ہاتھ میں آئی۔

مجھے ایک بڑے دولت مند کی شادی کی تقریب میں ناروے مدعو کیا گیا تاکہ اس کی فلم بندی کروں، اس میں اچھے خاصے پیسے ملے۔ ۱۹۹۲ میں مجھے راک اینڈ رول کے مشہور مغنی، ا-لٹن جان کے ساتھ سفر میں جانا پڑا تاکہ اس کے اس سفر کو کیمرے میں محفوظ کروں۔ یورپ کی سیاحت کے دوران وائنا میں ہماری ملاقات پناہ گزینوں کے ذمہ داران، اقوام متحدہ کے ایک عہدیدار سے ہوئی۔ اس نے خواہش ظاہر کی: آپ صرف دو دن کے لیے بوسنیا ہو کر آیئے اور وہاں کی خانہ جنگی کی بھی تصویریں لے لیجیے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ میں نے خانہ جنگی کی اتنی تصویریں اتاری ہیں جو بہت سی جنگوں کے لیے کافی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں ارٹیریا، ایتھوپیا، پولیساریو (مراکش)، افغانستان اور بیروت وغیرہ کی تصویریں لے چکا ہوں۔ لیکن جب میں اپنے ہوٹل میں واپس آیا تو اس شب ٹیلی ویژن پر بوسنیا کی خبریں دیکھ کر میری رائے بدل گئی۔ ہم نے ٹی وی پر دیکھا کہ سرائیوو میں خواتین اور معصوم بچوں نے روٹی حاصل کرنے کے لیے جو لائن لگائی تھی، اس پر سربوں نے زبردست گولہ باری کی۔ اس خبر نے میرے احساسات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس لیے کہ افغانستان اور دوسرے مقامات پر بے گناہ بچے اور عورتیں جنگ میں قتل ہوئے لیکن اصل مقابلہ مردوں کا مردوں سے تھا۔ لیکن بوسنیا میں جو جنگ ہو رہی تھی وہ تو مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف تھی۔ ہر اس چیز کو چن چن کر نشانہ بنایا جا رہا تھا جس کا تعلق اسلام اور مسلمانوں سے تھا۔ یہ جنگ سراسر ایک بھیانک نسلی جنگ تھی۔ دوسرے دن میں اقوام متحدہ کے دفتر میں کام کرنے والے اس دوست کے پاس دوبارہ پہنچا تاکہ سرائیوو جانے کا پروگرام ترتیب دیا جائے۔ ہم نے جب اس کی اطلاع رسالہ ٹائم کے صدر دفتر کو دی تو ذمہ داروں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دو دن کے بجائے آپ دو ہفتے وہاں رہیں۔ لیکن میں نے کہا کہ میں صرف دو دن ہی اس کے لیے نکال سکتا ہوں، تاکہ اپنی کمپنی کے ضروری کام انجام دینے کے لیے نیویارک واپس جا سکوں۔

سرائیوو پہنچنے کے دوسرے ہی دن ہم نے بوسنیا کی شاہراہوں پر بڑے ہولناک مناظر دیکھے۔ فرانسیسی بکتربند گاڑی میں بیٹھ کر میں ایرپورٹ کے راستے میں واقع ہسپتال گیا تاکہ وہاں کے مناظر کو کیمرے میں محفوظ کر سکوں۔ ہسپتال پہنچا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ سرب فوجی ہسپتال پر زبردست گولہ باری کر رہے ہیں۔ ہسپتال سے باہر ایک زخمی کو ہم نے فوراً اندر پہنچایا۔ فرانسیسی محافظ دستے تو واپس چلے گئے' ہم وہیں ہسپتال میں ٹھہر گئے اور تقریباً سولہ گھنٹے ان ڈاکٹروں اور نرسوں کے ساتھ ہم نے گزارے جو کھانے پینے سے بے پروا ہو کر شب و روز انتہائی تندہی اور توجہ و محنت سے مریضوں کے علاج میں مشغول تھے۔ انھیں آپریشن کے لیے ضروری اور بنیادی سامان نہیں مل رہے تھے۔ ان کے پاس انجکشن اور دوائیں نہیں تھیں' آکسیجن کی شدید کمی تھی' پانی اور بجلی سے بھی یہ ہسپتال محروم تھا' بجلی کے بجائے موم بتی سے کام لیا جا رہا تھا' بے ہوش کرنے والی دوا تک نہیں تھی۔ ہسپتال میں آپریشن کے وسائل اور جدید ترین مشینیں موجود تھیں لیکن بجلی نہ ہونے سے سب بیکار تھیں۔ دوسری طرف سرب فوجیوں کی مسلسل گولہ باری نے سارا نظام درہم برہم کر رکھا تھا۔ آکسیجن کے سلنڈر خالی رکھے ہوئے تھے۔ چار مہینے سے یہ صورت حال تھی۔ ہم نے اقوام متحدہ کے دفتر میں فون کر کے دریافت کیا کہ کیا آکسیجن کا انتظام ہو سکتا ہے؟ کیا ہسپتال میں مریضوں کو غذائی اشیا مہیا کی جا سکتی ہیں؟ لیکن اقوام متحدہ کے افسران نے یہ عذر کیا کہ اگر ہم کسی ٹرک کے ذریعے یہ سامان پہنچانے کی کوشش بھی کریں گے تو سرب فوجیں اپنی گولہ باری سے اس کو ناکام بنا دیں گی۔ ہم آپ کی مدد نہیں کر سکتے' اس لیے کہ ہمارے پاس صرف تیرہ ٹرک ہیں جن پر غذائی اشیا لدی ہوئی ہیں۔ ہم کسی ایک ٹرک سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے وہاں موجود بوسنیا کے مسلمان فوجیوں سے ایک ٹرک حاصل کیا اور ان کے تعاون سے ٹرک کو سفید رنگ سے رنگ دیا اور اس کے ہر طرف اقوام متحدہ کا مونوگرام بنا دیا۔ ہم نے ہسپتال کو درکار اشیا کی فہرست بنائی۔ پھر اقوام متحدہ کے مرکزی دفتر سے غذائی اور طبی سازوسامان لیا اور خود ڈرائیور بن کر ٹرک سے ایرپورٹ کے راستے سربوں کی چوکیوں سے گزرتے ہوئے ہسپتال پہنچ گئے۔ سربوں نے ہم سے تعرض نہیں کیا۔ دوسرے دن اقوام متحدہ کے دفتر کو حیرت اور تعجب ہو رہا تھا کہ میرے پاس تو کاغذات ایک صحافی کے تھے اور میں اقوام متحدہ کا ڈرائیور کیسے بن گیا۔ سربوں کی وحشیانہ گولہ باری سے بچ کر صحیح سلامت ہسپتال تک پہنچنا ایک معجزہ ہی تھا۔ اگر ہم اپنے کو غیر ملکی صحافی بتا دیتے تو سرب ہمیں یقیناً گولیوں سے اڑا دیتے' اس لیے کہ بیسویں صدی کی جو خانہ جنگیاں ہوئی ہیں' ان میں سب سے زیادہ صحافی سربوں کی گولیوں سے ہی مارے گئے ہیں۔

مجھے محسوس ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خاص مقصد سے بھیجا ہے۔ میں نے تین دن کے بجائے مزید تین ہفتے یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے قیام کا تیسرا اور آخری ہفتہ تھا۔ مجھے ضروری

تصویریں اتارنی تھیں کہ اچانک ایک کمین گاہ سے مجھ پر گولیاں چلائی گئیں جو میرے ایک باز اور ٹانگ میں لگیں۔ بوسنیا کے مسلمان ڈاکٹروں نے فوری طبی امداد پہنچائی۔ اس کے بعد مکمل علاج کے لیے میں میونخ (جرمنی) چلا گیا جہاں امریکی ہسپتال میں ڈیڑھ دو مہینے علاج کی غرض سے مقیم رہا۔ ڈاکٹروں نے زخم دیکھ کر بتایا کہ اگر دو سال تک اچھی طرح علاج ہو تو آپ چل پھر سکتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کی ہدایات کو نظرانداز کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے بوسنیا میں اپنی جدوجہد جاری رکھنا ہے۔ چنانچہ میں نے پلاسٹک کے تھیلوں سے اپنے پاؤں کو لپیٹ لیا' اور پھر ہسپتال پہنچ گیا۔ ایک مہینے کے اندر میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ جرمنی ہی میں ہم نے بوسنیا کے لیے دوائیں جمع کرنے کی مہم شروع کر دی۔ جب ضروری دواؤں کی اچھی خاصی مقدار جمع ہو گئی تو میں بوسنیا واپس چلا گیا۔ یہاں مجھے ایک ایسے عجیب و غریب تجربے سے گزرنا پڑا جس سے مجھے بہت غیر معمولی نفسیاتی صدمہ پہنچا۔ اس واقعے نے میری زندگی کا رخ یکسر بدل کر رکھ دیا۔

ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ بوسنیا کا ایک چھوٹا سا شہر سرب فوجوں کے محاصرے میں ہے۔ میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ کروٹ اور بوسنیا کی فوجوں نے میرے اس فیصلے کی مخالفت کی اور متنبہ کیا کہ آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ ہر طرف سربی فوج گھات لگائے بیٹھی ہے۔ یقیناً وہ ہم کو گولیوں سے بھون دیں گے۔ آپ یہ سفر نہ کریں تو بہتر ہے۔ یہ سفر خودکشی کے مترادف ہے۔ لیکن میرا فیصلہ اٹل تھا۔ ہم رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ جب اچھی طرح تاریکی چھا گئی تو ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔ آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ سرب فوجیوں نے ہم پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں بال بال بچا لیا' ہم جس موٹر میں سوار تھے' وہ بری طرح تباہ و برباد ہو گئی۔ انجن' ٹائر اور شیشے مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ ہم واپس آ گئے' دوسری موٹر لی اور ایک دوسرے راستے کا انتخاب کیا' جہاں سے منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا تھا۔ وحشت ناک جنگ کے اس جہنم میں ہم نے چار خواتین کو دیکھا جو ایک دوسرے کو سہارا دے کر چل رہی تھیں۔ سربوں نے پھر ہم پر گولیاں چلائیں۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ خواتین اپنے جسموں کو اچھی طرح لپیٹے ہوئے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یقیناً یہ مسلمان خواتین ہیں۔ سرب فوجی مسلمانوں کا بھیس بدل کر مسلمان خواتین اور مردوں کو دھوکہ دیا کرتے اور ان کو قتل کر دیتے۔ مجھے ایک لمحے کے لیے شک ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خواتین سربوں سے تعلق رکھتی ہوں اور ہم مدد کے لیے پہنچیں تو سربوں کی گولیوں کا شکار ہو جائیں۔ ہم نے یہ بات حیرت کے ساتھ نوٹ کی کہ ان خواتین میں سے ایک کے جسم سے بری طرح خون بہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں موٹر سے اترا اور میرے ساتھ ڈرائیور بھی اتر گیا۔ یہ خواتین شدت تکلیف سے بری طرح چیخ رہی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھیں۔ ہم جب ان خواتین کے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ ان میں ایک بچی بارہ سال کی اور دوسری تیرہ سال کی ہے۔ ایک لڑکی کے جسم سے بڑی طرح خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اس بچی کو

اپنی موٹر میں سوار کر لیا۔ خاتون، جس کی بچی کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، بڑی مضطرب تھی۔ ڈرائیور نے اس کو بتایا کہ یہ ڈاکٹر ہیں۔ میں نے اس بچی کو فوری طبی امداد وہیں پہنچانے کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ اس کی حالت بہت سنگین ہو رہی تھی۔ مجھے "ابتدائی طبی امداد" کی تربیت مل چکی تھی جو اس موقع پر کام آئی۔

میں نے جب اس بچی کو دیکھا تو مجھے گہرا صدمہ پہنچا۔ میں یہ ناقابل فراموش واقعہ زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ اس بچی کی ماں نے مجھے بتایا کہ سرب فوجیوں نے اس کے ساتھ بڑی درندگی کا معاملہ کیا۔ اس کے بعد سے یہ بچی بے ہوش ہے اور قریب المرگ ہے، نبض بھی کمزور تھی۔ بچی کی ماں نے روتے ہوئے بتایا کہ سربوں نے ان کی مسلمان بستی پر حملہ کیا۔ تمام مردوں اور بچوں کو انھوں نے ان کے رشتے داروں کے سامنے ایک ایک کر کے قتل کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر ان درندوں نے بستی کی خواتین اور بچیوں کی عصمت دری کی۔ پچاس سے زائد سرب فوجیوں نے ہمارے سامنے اس بچی کی عصمت دری کی۔ اس کے باوجود بھی ان کی تسکین نہیں ہوئی تو بچی کو اپنے ساتھ لے گئے اور کئی دن کے بعد اس حال میں واپس کیا۔ پھر ان درندوں نے متعدد بار ان دونوں بچیوں کی ماؤں کی عصمت دری کی۔ آخر کار ہم لوگوں نے رات کے اندھیرے میں اس گاؤں سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں بچیاں شدید تکلیف سے دوچار تھیں۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح ان کو اٹھا کر ہم لوگ اس گاؤں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ہولناک واقعہ سن کر میں برداشت نہ کر سکا، رونے لگا۔ اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا، میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور میں اس طرح رونے لگا جیسے میری بچی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ مجھ پر کیا گزری۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان انسانوں کو بچانے کی خاطر مجھے اپنی زندگی یکسر تبدیل کر دینا چاہیے۔ اس لیے نہیں کہ یہ مسلمان ہیں بلکہ اس لیے کہ یہ انسان ہیں۔ بچپن میں مجھے انسانوں سے محبت کرنا سکھایا گیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ رہ کر بھی ہم نے یہی سیکھا تھا، خاص طور سے بوسنیا کے قیام کے دوران اس کا مشاہدہ زیادہ ہوا۔ میں نے اس بچی کو بوسنیا کے اس ہسپتال میں داخل کروا دیا جو خواتین کے لیے تھا۔ وہاں جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح کے عصمت دری کے کئی کیس ہیں جن کا علاج ہو رہا ہے، اور یہ صرف ایک شب میں پیش آیا تھا۔

بوسنیا میں مسلمان صحافیوں کے ساتھ ملاقات رہتی تھی۔ ایک سعودی صحافی سے دیر تک اسلام اور مسلمانوں سے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ میری باتیں سن کر اس صحافی نے وہی کہا جو بیروت کی مسجد کے امام نے کہا تھا: "آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ آپ کا دل تو مسلمان ہے۔ آپ اسلام قبول کر لیں گے تو اسلام سے متعلق بہت سے سوالات کا جواب خود بخود مل جائے گا"۔ مسلمان صحافی کا یہ جملہ اس وقت سے برابر میرے ذہن میں گردش کرتا رہا ہے۔

میں نے بوسنیا کے قیام کے دوران ایک مسلمان خاندان کو امریکہ علاج کے لیے بھجوانے کا انتظام کیا تھا۔ اس خاندان کے سرپرست کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ ان کا ایک گردہ بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ جس ہسپتال میں ہم نے اس خاندان کے سربراہ کو علاج کے لیے داخل کیا تھا' وہاں سے ہمارا برابر رابطہ رہا۔ اس دوران میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کر دیا تاکہ بہتر طریقے سے براہ راست اسلامی تعلیمات کو سمجھ سکوں۔ قرآن مجید میں چند ہی دنوں میں مجھے اپنے ان سوالوں کا جواب تشفی بخش مل گیا جس کے لیے میں برسوں سے پریشان تھا اور مجھے انجیل اور اس کے عالموں نے مایوس کر دیا تھا۔

میں بوسنیا سے واپس آیا تو تیسرے دن اس خاندان سے ملنے ہسپتال گیا تاکہ ان کے حالات معلوم کروں۔ مجھے معلوم ہوا کہ مریض ہونے کے باوجود وہ یہاں ایک قریبی مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے جاتے ہیں۔ میں نے اس بوسنی مسلمان مریض کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اس وقت میں نے بڑے تاثر سے کہا کہ آپ کے دین اسلام میں سب کچھ ہے' اور یہی اصل دین ہے جس پر پوری انسانیت کی نجات کا انحصار ہے۔ میں جب یہ جملہ کہہ رہا تھا' اس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ اندر سے مجھے شدید خواہش ہو رہی تھی کہ اپنے اسلام کا اعلان کر دوں اور ابھی گھر' جاکر نمازیں پڑھنے لگوں۔

میں جب گھر واپس آیا تو دوسرے دن اس بوسنی مسلمان کے انتقال کی افسوس ناک اطلاع ملی۔ میں تیزی سے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ہم سے پہلے اس شہر میں موجود مسلمانوں کی بڑی تعداد تجہیز و تکفین کے لیے پہنچ چکی ہے۔ یہ وہ مسلمان تھے جو بھارت' پاکستان' سعودی عرب' کویت اور دیگر اسلامی ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کوئی رشتے داری مرحوم سے نہیں تھی' لیکن وہ سب اس طرح شریک تھے جیسے یہ ان کے فرد خاندان اور بزرگ ہوں۔ ہر شخص اس خاندان کے افراد کی دلجوئی اور تسکین و دلاسے کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ ہر شخص متاثر اور غمگین تھا۔ یہ میرے لیے نئی بات تھی۔ جب میرے مرحوم بوسنی دوست عثمان کے جسم کو غسل دیا جا رہا تھا' میں نے عین اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اسی لمحے میری زندگی یکسر تبدیل ہو گئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد صرف بوسنیا ہی نہیں' میرے اندر دنیا بھر کے مسلمانوں کی مدد کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا' اس لیے کہ وہ سب میرے بھائی ہیں اور اسلامی اخوت عالمگیر ہے۔

قرآن فہمی کے لئے خرم مراد کے ۳۵ درس کا سیٹ

سورۃ الشمس سے الناس تک ۲۴ سورتیں' سورہ فاتحہ' البقرہ (آخری رکوع) اور آیہ الکرسی کے درس' دعوت و تربیت و تزکیہ کے لیے بے مثال رہنمائی۔ ہدیہ ۸۰۰ روپے

رابطہ : **سمع و بصر** علی ہائٹس' کریم بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور' فون : 5411546